۲۰۱واں باب

وفات النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطلاع

۱۱۴: سُوْرَۃُ النَّصْر [۱۱۰- ۳۰:عَمَّ]

نزولی ترتیب پر ۱۱۴ویں تنزیل (نازل ہونے والی آخری سورہ)، ۳۰ویں پارے میں سورۃ نمبر ۱۱۰

- نصرت کیوں کر
- فتح کیسی
- تسبیح اور حمد کیسے
- استغفار کس بات پر

باب ۲۰۱

وفات النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطلاع

۱۱۴: سُوْرَۃُ النَّصْر [۱۱۴- ۳۰:عَمَّ]

نزولی ترتیب پر ۱۱۴ویں (نازل ہونے والی آخری سورہ)، ۳۰ویں پارے میں سورۃ نمبر ۱۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝۱ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ع ۱

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ جوق در جوق اللہ کے دین کو قبول کر رہے ہیں۔ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کے لیے پاکی بیان کرو۔ اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا ہے ع۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور ﴿اے نبیؐ﴾ تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ جوق در جوق اللہ کے دین کو قبول کر رہے ہیں تو جان لو کہ جس کارِ نبوت کے لیے آپؐ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا، وہ پائے تکمیل کو پہنچ گیا اور اب وقتِ واپسیں قریب ہے۔ پس، اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کے لیے ہر طرح کے شرک کی آلودگی سے پاکی بیان کرو۔ اور اس سے اپنی کوتاہیوں پر مغفرت طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا ہے ع۔

یہ قرآن مجید کی آخری سورت ہے، یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل نہیں ہوئی (مسلم) یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر [ذوالحجہ ۱۰ ہجری] ایامِ تشریق کے وسط میں بمقام منیٰ نازل ہوئی اور اس کے بعد ہی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اونٹنی پر سوار ہو کر اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جسے بیہقی نے کتابُ الحج میں نقل کیا ہے جس میں آپؐ نے پوچھا تھا "لوگو جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟..... یہ کون سا مقام ہے؟ ....." اس کے بعد جب ہم لوگ مدینہ واپس ہوئے تو کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات ہو گئی۔

اگر ایام تشریق کے وسط سے ۱۲ ذوالحجہ مراد لی جائے اور آپؐ کی وفات ۱۳ ربیع الاوّل تو اس سورت کے نزول اور آپؐ کی وفات میں ۸۹ دن (تین مہینے) کا فرق بنتا ہے اور جیسا کہ بعض اصحاب السیر آپؐ کی وفات

ربیع الاوّل کی ابتدائی تاریخوں میں اور اس سورت کے نزول اور وفات میں ۸۰ دن کا فرق بیان کرتے ہیں تاریخ وفات نو(۹) روز قبل یعنی ۴ ربیع الاوّل کے آس پاس، چوں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپؐ کی وفات پیر کے دن ہوئی تو ربیع الاوّل میں پہلی پیر ۶ تاریخ کو پڑی اور دوسری ۱۳ تاریخ کو۔

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس سال میری وفات ہونے والی ہے۔ یہ بات سن کر فاطمہ رضی اللہ عنہا رو دیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا میرے خاندان میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔ یہ سن کر وہ ہنس دیں (تفہیم القرآن)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے بڑے بڑے شیوخ کے ساتھ اپنی مجلس میں بلاتے تھے۔ یہ بات بعض بزرگوں کو ناگوار گزری اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے لڑکے بھی تو اسی لڑکے جیسے ہیں، اس کو خاص طور پر کیوں ہمارے ساتھ شریکِ مجلس کیا جاتا ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم کے لحاظ سے اس کا جو مقام ہے وہ آپ لوگ جانتے ہیں۔ پھر ایک روز انہوں نے شیوخِ بدر کو بلایا اور مجھے بھی اُن کے ساتھ بلا لیا۔ میں سمجھ گیا کہ آج مجھے یہ دکھانے کے لیے بلایا گیا ہے کہ مجھ کو ان کی مجلس میں کیوں شریک کیا جاتا ہے۔ دورانِ گفتگو میں عمر رضی اللہ عنہ نے شیوخ بدر رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ حضرات اذا جآءَ نصر الله والفتح کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی نصرت آئے اور ہم کو فتح نصیب ہو تو ہم اللہ کی حمد اور اس سے استغفار کریں۔ بعض نے کہا اس سے مراد شہروں اور قلعوں کی فتح ہے۔ بعض خاموش رہے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ابن عباسؓ کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا، نہیں۔ انہوں نے پوچھا پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کو خبر دی گئی ہے جب اللہ کی نصرت آجائے اور فتح نصیب ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ کا وقت آن پورا ہوا، اس کے بعد آپؐ اللہ کی حمد اور استغفار کریں۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی اُس کے سوا کچھ نہیں جانتا جو تم نے کہا ہے۔ ایک روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ عمرؓ نے شیوخِ بدر سے فرمایا آپ لوگ مجھے کیسے ملامت کرتے ہیں جب کہ اِس لڑکے کو اس مجلس میں شریک کرنے کی وجہ آپ نے دیکھ لی (بخاری، مسند احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن مردویہ، بغوی، بیہقی، ابن المنذر بحوالہ تفہیم القرآن)

اِس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا تھا کہ جب عرب میں اسلام کی فتح مکمل ہو جائے اور

لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کام مکمل ہو گیا ہے جس کے لیے آپؐ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس کے بعد آپؐ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کرنے میں مشغول ہو جائیں کہ اُس کے فضل سے آپؐ اتنا بڑا کام انجام دینے میں کامیاب ہوئے، اور اُس سے دعا کریں کہ اِس خدمت کی انجام دہی میں جو بھول چوک یا کوتاہی بھی آپؐ سے ہوئی ہو اُسے وہ معاف فرمادے۔

بخاری و مسلم کے علاوہ بیشتر محدثین روایات لاتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد آپؐ کثرت سے کلمات استغفار کا ورد فرماتے اور رکوع و سجود میں بھی کلمات استغفار پڑھتے۔ احادیث مبارکہ میں آپؐ کی زبانِ مبارک پر کثرت سے جاری رہنے والے یہ کلمات روایت ہوئے ہیں: ▪ سبحٰنك اللهم و بحمدك استغفرك و اتوب اليك ، ▪ سبحان الله و بحمده استغفر الله و اتوب اليه، ▪ سبحٰنك اللهم و بحمدك اللهم اغفرلی، ▪ سبحان الله و بحمده اور اگر آپؐ سے کوئی دریافت فرماتا کہ یارسول اللہ، آپؐ کثرت سے یہ ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں؟ تو آپؐ فرماتے مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے پھر آپؐ یہ سورت پڑھتے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ۔

سورہ کے اس پسِ منظر کے بعد اس کے مضمون کی وضاحت اگرچہ کہ کچھ اوپر کی سطور سے ہو ہی گئی ہے لیکن اس میں چند الفاظ پر تدبر سے کاروانِ نبوت کی پیش قدمی اور تکمیل کام کے کچھ گوشے مزید واضح ہو سکتے ہیں جو احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے عَلَم برداروں کے لیے بہت نفع بخش ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

▪ نَصۡرُ اللّٰهِ، ▪ الۡفَتۡحُ، ▪ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ اور ▪ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ۔

نَصۡرُ اللّٰهِ: یہاں اللہ تعالیٰ کی جس خاص نصرت کا ذکر ہوا ہے وہ وہی نصرت تھی جس کا گزشتہ کم و بیش ۲۲ برس سے انتظار تھا۔ جس کا وعدہ دورِ اوّل سے متعدد مقامات پر ہوا تھا اور نبی ﷺ کو اُس کے آنے کا کامل یقین تھا۔ وہ نصرت جس کے آنے کا وعدہ تھا جب اللہ کو یاد دلائی گئی تو اللہ نے فرمایا کہ وہ بس آیا ہی چاہتی ہے۔ اس معاملے کا تذکرہ ہجرت کے دوسرے اور نبوت کے ۱۵ ویں برس سورۃ الۡبَقَرَة میں یوں کیا گیا تھا

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ	کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض ایمان کے دعوے پر ہی تمھیں جنت میں داخلہ مل جائے گا، حالانکہ تم کو تو ابھی وہ آزمایشیں پیش ہی نہیں آئیں، جو تم سے پہلے

الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ سورۃ البقرۃ	ایمان لانے والوں پر آچکی ہیں! اُن پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، وہ ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ رسول اور اس پر ایمان لانے والے بول اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ خبردار اللہ کی مدد بس قریب ہے۔

انھی ایّام میں یعنی بدر کے بعد اور اُحد سے قبل ہجرت کے دوسرے اور نبوت کے ۱۵ ویں برس میں اس نصرت کا تذکرہ سُوْرَۃُ الصَّف میں یوں آیا تھا:

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ.....﴿۱۳﴾ سُوْرَۃُ الصَّف○	ایک اور چیز جس کی تم خواہش رکھتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور قریب ہی میں فتح۔ اے نبیؐ، اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو○

رسول اللہ ﷺ کو اور آپؐ کے رفقاء کو اس بات کا یقین تھا کہ ایک روز اللہ کی نصرت ضرور آئے گی لیکن اس کے لیے اُنھیں اللہ کے سامنے اپنے اخلاص اور جاں نثاری سے ثابت کرنا ہے کہ وہ اِس کے مستحق ہیں اور اُنھوں نے اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ کوئی کامیابی اور فتح اُن کی کوششوں سے نہیں بلکہ محض اللہ کے فضل اور اُس کی نصرت سے آئے گی۔ نصرت الٰہی کی آمد کا یہ کلیہ اپنے ذہن میں رکھیے اور اب فتح پر غور فرمایئے کہ کون سی فتح تھی جس کا انتظار تھا۔

فَتْحُ: کاروانِ نبوت جب سے روانہ ہوا تھا، قافلے میں شریک ایک ایک فرد کو اپنی منزل کہ جس کو فتح کہہ سکیں پورا ادراک تھا، اور وہ منزل تھی: 'کعبہ کو مشرکین کے تسلط سے آزاد کرانا'۔ منزل کا یہ واضح ادراک ہی تھا جسے قریشِ مکہ نے بھانپ لیا تھا اور وہ سالار قافلہ ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ وہ اہلِ ایمان جنھوں نے ابھی رسول اللہؐ کو دیکھا ہی نہیں تھا، جو مصعب بن عمیرؓ کے دستِ مبارک پر ایمان لائے تھے، اور نبی ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت دینے آئے تھے، بہتّر (۷۲) افراد کا وہ قافلہ جو بیعت عقبہ ثانیہ کے لیے آرہا تھا جس کے سالار براء بن معرورؓ تھے، وہ سارے راستے میں کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے آئے تھے۔ حالاں کہ ابھی تو بیت المقدس قبلہ تھا۔ اُنھیں یقین تھا کہ یہ کعبہ مسلمانوں کا ہے اور اس کی مشرکین سے واج گزاری

ہی اصل منزل ہو گی۔ قائدِ کارواں ﷺ کا ذہن اس معاملے میں اتنا صاف تھا کہ ہجرت سے بھی بہت پہلے ایک دن جب کنجی بردار عثمان بن طلحہ نے کعبے کو آپ ﷺ کے لیے کھولنے سے انکار کیا تھا تو آپؐ نے اُس سے کہا تھا کہ ایک روز یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ ایک دِن کعبے کو مشرکین کے قبضے سے آزاد کرانا ہے۔ یہی منزل ہے اور ایک دن اللہ کی نصرت سے مل ہی جانی ہے۔ اس منزل کا، اس فتح کا ادراک اوّلین ایّام سے تھا۔ نصرت کے حوالے سے پچھلی سطور میں سُوْرَۃُ الصَّف کی آیہ مبارکہ کا تذکرہ تھا، اُس میں فتح کا لفظ آیا تھا:

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ.....⑬ سُوْرَۃُ الصَّف○	ایک اور چیز جس کی تم خواہش رکھتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور قریب ہی میں فتح۔ اے نبی، اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو○

آخر یہ کون سی فتح تھی جس کی بشارت مل رہی تھی، کسی ایک صحابیؓ نے بھی دریافت نہیں کیا کہ یہ کون سی فتح کی بشارت ہے، روم کی یا ایران کی؟ سب جانتے تھے اصل فتح، حرمِ کعبہ کی آزادی ہے، قریش پر فتح ہے، فتحِ مکہ ہے۔ پھر دیکھیے کہ حدیبیہ سے واپسی پر سُوْرَۃُ الْفَتْح میں فرمایا گیا کہ: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا① سب جانتے تھے کہ بغیر عمرہ کیے نامراد واپس آرہے ہیں، لیکن جب کہا گیا کہ یہی اصل فتح ہے تو سب جان گئے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ہی قریش پر فتح کا ضامن بنے گا، اور نہ بھی جانے تو اسی معاہدے کے طفیل، قریش کے نقضِ عہد ہی نے جب مکہ پر حملے کا جواز مہیا کیا، مکہ فتح ہو گیا اور پھر فوج در فوج داخلے سے حقیقت سامنے آگئی؛ یوں معاہدہ ہی منتظر و مطلوبہ فتح کا ضامن ثابت ہو گیا اور قرآن مجید کی بات پر مہر تصدیق ثبت ہو گئی، وگرنہ معاہدے تو بذاتِ خود صرف معاہدے ہی ہوتے ہیں!

غزوہ اُحد سے قبل فتح کی جانب اشارہ اسی اجمال کے ساتھ ہوا تھا، کسی نے نہیں دریافت کیا کہ کون سی فتح؟ یہ چیز پہلے سے ذہنوں میں موجود تھی اس وجہ سے، اجمال کے باوجود، اس کے سمجھنے میں لوگوں کو کوئی تردد پیش نہیں آیا۔ مثلاً فرمایا گیا تھا

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ	تم میں سے وہ لوگ جو فتح سے پہلے انفاق اور قتال کریں گے (اور جو بعد میں کریں گے دونوں درجے میں) یکساں نہیں ہوں

پورا عرب یہ بات جاننے کا منتظر تھا کہ قریش، نئے دین کے عَلم بردار اپنے آدمی سے کس طرح نبٹ پاتے ہیں۔ قبائل عرب کا اعتقاد تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ اللہ کا گھر کسی ناجائز قابض کے تسلط میں نہیں رہ سکتا۔ ماضی قریب میں اللہ نے ابرہہ کو نیست ونابود کرکے اُن کے دلوں میں اس اعتقاد کو بہت ہی مستحکم کردیا تھا کہ حرم کعبہ کا متولی وہی ہوگا، جو حق پر ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فتح مکہ اور پھر معرکہ حنین کے بعد پورے عرب میں کفر کو اسلام کے آگے اس طرح سر کے بل گرادیا کہ اس کے لیے دوبارہ سر اٹھانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا اور مسلمانوں کے لیے عرب سے باہر نکل کر سارے عالم کو اسلام سے مستفیض کرنے کی راہ ہموار ہوگئی تھی۔ اب اس فتح پر نبی ﷺ کا ردِ عمل دیکھیے کہ آپؐ کو اور آپؐ کے تمام متبعین کو یہ معلوم تھا اور سب کو یقین تھا کہ یہ اُن کا کوئی کارنامہ نہیں بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے اُن کے لیے ایک اعزاز ہے کہ جب اللہ نے اپنی نصرت کے دروازے اُن پر کھولے تو یہ سب کچھ ممکن ہوا، چناں چہ نبی ﷺ نے اس فتح کے بعد خانۂ کعبہ کے دروازے پر جو خطبہ دیا اس میں صراحت سے آپؐ نے فرمایا کہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے نصرت بھیجی اور یکہ وتنہا دشمنوں کی تمام جماعتوں کو شکست دی اور فتح کے اپنے وعدے کو پورا کردکھایا۔

لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہٗ. صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ) .اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس نے یکہ وتنہا دشمنوں کی تمام جماعتوں کو شکست دی۔

انصار جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئے تو قریش کے لیڈروں نے ان کو ڈرایا کہ آپ لوگ ان سے بیعت کررہے ہیں تو یاد رکھیں کہ یہ بیعت اسود واحمر سے جنگ کے ہم معنی ہے۔ قریش کی سارے عرب کے قبیلوں کے دلوں پر حکم رانی تھی، اہلِ مدینہ کے کچھ لوگوں کا ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا جو قریش سے حرم کو واپس لے کر بتوں سے پاک کرنا چاہتا تھا سارے عرب سے کیا خود یثرب کے باشندوں کی اکثریت سے نبٹنا مشکل بنا رہا تھا، صرف ایک اللہ کی نصرت کا سہارا تھا جس پر یثرب کے کچھ لوگ بھروسہ کرکے آگے بڑھ گئے تھے، ذرا پلٹ کے اُس شب کی محفل میں جھانکیے جہاں یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہو رہی تھی۔

"اسعد بن زرارہؓ نے اس زمین پر عرش کے نمایندے ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا.... اللہ، اللہ....... اور

بولے: اہل یثرب ذرا ٹھہر جاؤ! ہم آپؐ کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (یعنی طویل مسافت طے کرکے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپؐ کو یہاں سے لے جانے کا مطلب سارے عرب سے دشمنی مول لینا ہے، تمھارے چیدہ سرداروں کا قتل اور تم پر تلواروں کی مار۔ لہٰذا اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تب تو اُنھیں لے چلو، اور تمھارا اجر اللہ پر ہے۔ اور اگر تمھیں اپنی جان عزیز ہے تو اُنھیں ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول عذر ہوگا۔

لوگ یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اُن کے کلیجے ہل گئے اور دل مچل گئے کہ کس طرح اللہ اور اُس کے رسولؐ کے لیے، اسلام کے لیے اپنے جان و دل کو قربان کر دیں آوازیں بلند ہوئیں: اسعد بن زرارہؓ! اپنا ہاتھ ہٹاؤ، اللہ کی قسم، ہم اس بیعت کو نہ آج چھوڑ سکتے ہیں اور نہ کل اسے توڑ سکتے ہیں۔"

[کاروانِ نبوت جلد ہفتم، صفحہ ۳۷۷]

صاحبِ تدبرِ قرآن کا بڑا صحیح تجزیہ ہے کہ قریش کے عرب پر حاوی استبداد کی موجودگی میں وہی لوگ اسلام لانے کا حوصلہ کر سکتے تھے جو پہاڑوں سے لڑ جانے کا حوصلہ رکھتے ہوں لیکن جب خود قریش سرنگوں ہو گئے تو پھر اسلام کی راہ میں کوئی مزاحمت باقی نہیں رہی۔ ہر طرف سے وفود پر وفود اس طرح مدینہ پر ٹوٹ پڑے گویا اس چشمۂ حیواں پر پہنچنے کے لیے وہ پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ یہ فتح مکہ ہی تھی جس نے عربوں کے اذہان میں وہ انقلاب برپا کیا کہ لوگ اپنے اسلام کے انتخاب کے معاملے میں کسی بھی دباؤ سے نکل آئے۔ اور سرزمین عرب سے اس فتنہ کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا جس کے بل پر قریش کے لیڈر لوگوں کے دین و ایمان کے مالک بنے بیٹھے تھے۔

حالات و واقعات کے اس تناظر میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ ابرہہ کی چڑھائی سے لے کر بدر و خندق سے گزرتے ہوئے معرکہ حنین تک تمام کام اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک مربوط حکمت عملی کے تحت انجام پا رہے تھے جن کا مرکز و محور اپنے آخری رسولؐ کی نصرت کرنا تھا۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ: فتح مکہ پر اور اسلام میں اہلِ عرب کے فوج در فوج داخل ہونے پر اترانے اور فخر کرنے کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں تھا۔ مناسب یہی تھا کہ لوگ اپنے رب کی حمد و تسبیح کریں، اپنی کوتاہیوں کی

معافی مانگیں کہ جب انھوں نے صدقِ دل سے کہا کہ " رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ "ؕ تو اُس نے اُن پر اپنی نصرت کے ڈونگرے برسا دیے تھے۔

اللہ کی نصرت کے ذریعے فتح کا ایک اور پہلو خود نبی کریم ﷺ کے لیے یہ تھا کہ اس فتح کے ساتھ آپؐ اس عظیم کام سے باعزت طور پر سبک دوش ہو گئے جس کا آپؐ نے بیڑا اُٹھایا تھا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ نبوت کے ابتدائی برسوں میں جب قریش آپ ﷺ کے چچا کے پاس جمع تھے اور آپؐ کو توحید کی دعوت سے باز رکھنے کے لیے ابو طالب کی حمایت اور اُن سے بھتیجے کے خلاف اقدام کے طالب تھے تو: آپؐ نے چچا سے فرمایا تھا: **یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی و القمر فی یساری علی ان اترك هذا الامر حتی یظهره الله او اهلك فیه ما ترکته**(او کما قال) چچا جان اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں دعوتِ دین سے باز نہیں آسکتا، ! میں اس مشن کو اس حد تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑوں گا کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اِسی راہ میں اپنی جان دے [اهلك فیه] دوں ۔

پس اب جب آپؐ اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب آپؐ کو اُس کے پاس واپس جانا ہے جس نے آپؐ کو مبعوث کیا تھا۔ اور اب آپؐ کو اپنی مختصر حیاتِ مستعار کو تسبیح و تحمید میں گزارنے کی ہدایت کی جا رہی ہے اور یہی تعمیل حکم تھی جو ۸۰ / ۹۰ دن آپؐ کی زندگی باقی رہی اُس میں آپؐ نے **سبحان الله و بحمده** کے اور اس سے ملتے جلتے ورد سے اپنی زبان کو تر رکھا تسبیح و تحمید کا آپؐ کو یہ کوئی نیا حکم نہیں دیا جا رہا تھا یہ حکم تو آپؐ کو نبوت کے پہلے ہی برس چھٹی تنزیل میں ملا تھا: " سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ " لیکن اُس وقت یہ حکم صرف قولی تسبیح و تحمید کا نہیں بلکہ تسبیح کے ساتھ اُس کی عملی تعبیر یعنی دعوتِ دین اور احیائے دینِ ابراہیمی کی جدوجہد میں مستقل مصروف رہنے کا حکم تھا۔ نبوت کے چوتھے برس کے آغاز میں سورہ حجر میں کھل کر سارے معاشرے کو دعوت توحید کے ساتھ تسبیح و تحمید کے لیے بھی بالکل اسی طرح فرمایا گیا تھا جس طرح آج ۲۳ برس پورے ہونے پر سورہ نصر میں فرمایا جا رہا ہے::

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ	پس اے نبیؐ، جس چیز [دعوت توحید] کا تمھیں حکم دیا جا رہا ہے
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۴ اِنَّا	اُسے کھول کر بالوضاحت سُنا دیجیے اور مشرکوں کی پروا نہ کریں، اِن
كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ ۝۹۵	سے منہ پھیر لیجیے۔ ہم اُن مذاق اُڑانے والوں سے نمٹنے کے لیے کافی

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی اُس کا ہم سر اور شریک ٹھہراتے ہیں۔ عن قریب اُنھیں معلوم ہو جائے گا [کہ کیسی غلطی پر وہ قایم تھے]۔ ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپؐ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح [پاکی بیان] کریں اور اُس کی جناب میں سجدہ بجالائیں۔ اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپؐ کو موت آئے۔ [مفہوم]

اُس وقت یہ حکم کارِ نبوت میں امدادی نوعیت کا تھا اب کام مکمل ہونے پر اپنے رب کے حضور حاضر ہونے اور اِس دنیا کو چھوڑنے کے لیے ایک واحد کام اور کارِ اصلی [only and exclusive] کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ یہاں ضروری ہے کہ حمد کے ساتھ تسبیح کے جوڑ کو کچھ وضاحت سے بیان کیا جائے۔

حمد یعنی اللہ کی تعریف اور شکریے کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اللہ کی بندگی کو غیر اللہ کی بندگی سے پاک نہ جانا جائے، نعوذ باللہ، اللہ کو کوئی گندگی نہیں لگ جاتی جس سے پاکی کا اعلان ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تسبیح پڑھنا اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ اُن تمام شرکیہ اور جھوٹی باتوں سے پاک ہے جو لوگ اللہ کے بارے میں بناتے ہیں۔ پاکی اُس وقت تک بیان نہیں ہو سکتی جب تک رائج الوقت تمام خداؤں اور اُن کی خدائی سے برأت کا کھل کر اعلان نہ کیا جائے۔ تمام ارباب من دون اللہ سے چاہے وہ جابر حاکموں کی شکل میں ہوں یا جبہ و دستار میں ملبوس مسکین 'خداؤں' کی شکل میں، خلع حاصل نہ کر لی جائے اور قبروں کی پوجا سے انکار ہو تو ساتھ ہی نفس و انا پرستی کے شرک سے بھی پرہیز ہو اور آج کے دور میں تسبیح کی روح تک پہنچنے کے لیے تہذیبِ جدید کے جبر سے غدّاری و بغاوت کا نعرہ اتنا ہی اہم اور ضروری ہے جتنا کل لات و منات کی خدائی کا انکار ضروری تھا۔ اِس تسبیح کے بعد ہی زبان حمد ادا کرنے کی اہل ہوتی ہے!

وَ اسْتَغْفِرْهُ: اس کامیابی پر استغفار، کس بات کا؟ اس بات کا استغفار کہ اس کام کو انجام دیتے ہوئے اللہ اور اُس کے دین سے بے پایاں محبت، جوشِ توحید اور منزل جلد پالینے کی خواہش میں بسا اوقات اُن حدود اور ہدایات کا خیال نہیں رہ پاتا جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں، پس اس راہ میں جو بھی دانستہ اور نادانستہ ہو گیا، اے ہمارے رب ہم سے درگزر فرما!